ڈاکٹر تبسم کاشمیری کی شاعری میں رعنائی اور انبساط

Pulchritude and happiness in the poetry of Dr. Tabassum Kashmiri.

ڈاکٹر عاصمہ رانی

اسسٹنٹ پروفیسر، گورنمنٹ صادق کالج ویمن یونی ورسٹی، بہاول پور

حفصہ خان

لیکچرار اردو، گورنمنٹ گریجویٹ کالج برائے خواتین، بہاول پور

Abstract:

The events that take place in the society have a deep impact on the minds of people. Because of which strange questions start to arise in the hearts of people with sensitive nature. They begin to look at the universe, life, religions, science and ideas from a new perspective. From these initial whispers, an important question emerges that what is the relation of poetry to daily life? Why is one's feelings expressed in poetry? The real beauty of poetry is to mold the words in such an acceptable form for the dull and spotty faces of the common people due to the traumas and experiences in the cruel slaps of the times that it can provide some relief for the audience. So that instead of being fed up with life, they find beauty and quality in it and fight for life instead of death.

کلیدی الفاظ: محمد صالحین، ہادی حسین، صائمہ ارم، تمثال، شاعری اور تخیل

معاشرہ میں رونما ہونے والے واقعات انسانوں کے اذہان پر گہرے اثرات ثبت کرتے ہیں۔ جس کی وجہ سے حساس طبیعت کے حامل افراد کے قلوب میں عجیب و غریب سوالات ابھرنے لگتے ہیں۔ وہ اس کائنات، زندگی، مذاہب، سائنس اور نظریات کا نئے تناظر سے جائزہ لینا شروع کر دیتے ہیں۔ ان ابتدائی وسوسوں میں سے ایک اہم سوال سامنے آتا ہے کہ شاعری کا روزمرہ زندگی سے بھلا کیا تعلق؟ اپنے جذبات کا اظہار شعری پیرائے میں کیوں کیا جاتا ہے؟ شاعری کا اصل حسن یہ ہے کہ زمانے کے بے رحم تھپیڑوں میں صدمات و تجربات کی وجہ سے عوام الناس کے بے زار اور سپاٹ چہروں کے لیے ایسی قابل قبول شکل میں کلام کو ڈھالا جائے کہ

سامعین کے لیے قلبی راحت کا سامان فراہم کیا جاسکے تاکہ وہ زندگی سے اکتانے کی بجائے اس میں خوب صورتی و رنگینی کا کھوج لگا کر ممات کی بجائے حیات کے لیے تگ و دو د کریں۔

اکثر شعراء اپنے کلام کو بارعب بنانے کے لیے ثقیل اور متروک الفاظ کا استعمال کرتے ہیں۔ تاکہ ان کا شمار معتبر اور نمائندہ شاعر کے طور پر ہو سکے۔ اس کے برعکس ڈاکٹر تبسم کاشمیری صاحب نے اپنے کلام میں جابجا روزمرہ کے عام فہم الفاظ کا استعمال کیا ہے۔ جس کی وجہ سے قارئین کو ان کا کلام پڑھ کر گمان ہونے لگتا ہے کہ کوشش کروں تو میں بھی ایسا لکھ سکتا ہوں۔ یہ تو میرے ذاتی حالات کی بھرپور عکاسی کرتا ہے۔ محمد صالحین المعروف ڈاکٹر تبسم کاشمیری وسیع مشاہدہ کے حامل ہیں۔ ہر گزرتا رنگ ان کے جذبات کو تسلی و اطمینان کی دولت سے نوازتا اور شعر کہنے پر مجبور کرتا ہے۔ گردش لیل ونھار، سیاسی ناپائیداری، معاشی ناانصافی اور پر آشوب معاشرے کے دکھ کو وہ قطعاً بھول نہیں جاتے بلکہ مذکورہ تمام عناصر بھی ان کی شاعری میں نمایاں طور پر جابجا نظر آتے ہیں مگر حقیقت کی بات یہ ہے کہ صرف رونے دھونے سے کچھ نہیں ہوتا۔ یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ ہر دکھ کے ساتھ، رنج کے ہمراہ، راحت، اندھیرا کے بعد اجالا، تاریکی کے بعد نور کی جھلکیاں ضرور دکھائی دیتی ہے۔ پریشان حالی میں امید کا دامن کبھی چھوٹنا نہیں چاہیئے۔ فرمان الہی ہے:

"اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔" (القرآن)

ہمیشہ تلخی ایام کو گردش تقدیر کی بجائے گردش ایام سمجھ کر اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ کسی سانحہ کو دیکھ کر جذبات کا امڈ آنا جبلی تقاضا ہے۔ اپنے خیالات سے اور اظہار سے عوام الناس میں زندگی کی آس دینا عمدہ کاوش ہے۔ شاعری کی ہر صنف چاہے وہ ڈرامائی ہو کہ محاکاتی، یا پھر تخیلی ہو کہ غنائی سب میں جذبات کو خیالات کی آمیزش سے مزین کیا جاتا ہے محمد ہادی حسین رقم طراز ہیں:

> "حقیقت تو یہ ہے کہ جذباتی کش مکش تنوع اور شدت دونوں کے اعتبار سے جتنی زیادہ ہوگی اتنا ہی شاعر کا رتبہ بلند ہوگا، کیوں کہ شاعر کو جتنا اپنے اندر ابتری اور پریشانی کا احساس ہوگا اتنا ہی وہ اس کے تدارک کے لیے اپنے کلام میں تنظیم، ترتیب اور خوش اسلوبی کو اہمیت دے گا۔ اعلیٰ پائے کی شاعری زندگی کے تضادوں یا ھنگاموں سے انکار یا گریز نہیں کرتی بلکہ اس کے برعکس وہ ان کا پورا نقشہ پیش کرتی ہے۔" (1)

شاعر اپنی قوت مشاہدہ، استعداد اور ریاضت کی بدولت اپنے خیالات اور احساسات کو دوسروں تک پہنچانے میں ماہر ہوتا ہے۔ ڈاکٹر تبسم کاشمیری زندگی کی مجہولیت اور مفلوک الحال عوام کو دیکھ کر بھی پر امید ہیں:

ذرا موسم بدلنے دو نوید صبح ہونے دو
ہماری بخششوں کا دن بہت نزدیک آیا ہے (2)

موسم بدلنے اور نوید صبح کے انتظار کے ساتھ ہی وہ رنگوں سے محبت کرنے والے انسان ہیں۔ اس کی بہترین مثال ان کے شعری مجموعوں کے نام ہیں مثلاً 61 نظموں پر مشتمل "سرخ خزاں کی نظمیں" میں سرخ رنگ ان کے گہرے جذبات کی ترجمانی کا عکاس و مظہر ہے۔ "کاسنی بارش میں دھوپ" 1990ء میں شائع ہونے والی یہ کتاب 58 نظموں کی حامل ہے۔ شاعر کی تخلیق قیام جاپان کے دوران میں نمودار ہوئی۔ مجموعی طور پر اس کی فضا میں خوشی، جذبہ، رنگ اور امید کا عنصر غالب ہے۔ اس کے مطالعہ سے نئے الفاظ سے آشنائی ہوتی ہے۔ موضوعات کے تناظر کے ضمن میں نئے در وا ہونے لگتے ہیں۔ جس سے قاری کی توجہ گہری ہوتی چلی جاتی ہے۔ خادم حسین کے مطابق:

"اس مجموعے کی فضا میں انبساط زیادہ ہے اور دکھ کم۔" (3)

ان کی شاعری میں خوبصورت موسم اور اشیاء رنگوں کا لبادہ اوڑھ کر تھکے ہوئے قاری کو واماندگی شوق میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ ان کے ہاں موسم ہنستے، پتے سبز ہو کر خوش ہیں۔ بیلیں ہری اور پھول سرخ اگائے جاتے ہیں تاکہ آنکھیں فرحت محسوس کریں۔ شہر کے رنگ جب سبز و شاداب ہوئے ہیں تو شاعر کی مسرت کا ٹھکانہ نہیں ہوتا مگر جب یہ ویران اور زرد رنگ کی بے رونق فضا کو دل پر محسوس کرتا ہے۔ ان کے ہاں شراب سرخ اور پھول برف کی مانند سفید ہیئت پالیتے ہیں۔ جن کی یاد میں وہ تادیر وقت گزارتے ہیں اور دوسروں کو بھی اس کی یاد میں محو رکھنا چاہتے ہیں۔ ان کی قوت مشاہدہ بڑی قوی ہے۔ وہ بادام کے درخت پہ اگنے والی سفید بُور سے بھی آشنا ہیں اس پہ شاعری کرنے اور ترجمہ کرنے کے فن سے روشناس ہیں۔ بعض اوقات جذبے، احساس اور خوف کی فضا ان کے ہاں ایک مثلث کی روپ دھار کر عجب صورت حال پیش کرتی ہے۔ کہیں وہ کالی رات کو بھیانک قرار دیتے ہیں اور لمحہ، راستہ، خوشبو اور آواز کے ساتھ ذرا ان کا شعر ملاحظہ کریں:

ے خوف کی خوشبو، سرخ آوازیں، کالا رستہ، ساکت لمحے (4)

سوکھے جذبے رنگ نہ روپ

خواہشوں کے سرخ رنگ، سیاہ لہو، سیال ہوائیں انسان کو خوف کے جذبہ سے ملاتی ہیں جبکہ شہر کی ہر شے سبز رنگ کا لباس پہن کر گیت سنانے لگتی ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ شاعر کو رنگوں اور جذبوں سے خاص انسیت ہے۔ وہ رنگوں سے مانوس اور ان سے عشق کرتا ہے۔ تبھی رنگ ان کی شاعری کا مزہ دوبالا کر دیتے ہیں اور ہر شعری مجموعے میں رنگوں کا کردار نمایاں طور پر بنتا ہے۔ اس کی بہترین مثال ان کی نظم "مجھے یاد نہیں" نہایت دل کش اور حسین رنگوں کو سموئے ہوئے ہے:

وہ مقام جہاں آسمان قرمزی

تھا

زمین کاسنی تھی (5)

یوں لگتا ہے رنگ بنائے ان کے حضور کھڑے ہوتے ہیں اور وہ ان رنگوں کو اپنی پسند سے اشعار میں جگہ دیتے ہیں اور وہ ان رنگوں کو اپنی پسند سے اشعار میں جگہ دیتے جاتے ہیں۔یوں شاعر اور رنگ ہمنوا بن کر کائنات کے حسن کو مزید نکھار دیتے ہیں۔ سیاہ، زرد، سرخ، چاکلیٹی، نیلا، سبز، گلابی، پیلا، سفید، نارنجی، بھورا، کیسری، سرمئی، سنہری اور خاکستری رنگ تبسم کاشمیری کے کلام میں رعنائی بخشتے نظر آتے اور ان کے جذبات کی عکاسی اپنے خوب صورت مناظر سے کرتے ہیں۔ جہاں رنگ بکھیرتے ہیں وہاں سے پھول جنم لیتے ہیں۔ کیسری، چنبیلی، گلاب، نرگس، سوسن اور مگنولیا کے پھولوں کا نہایت شگفتہ انداز میں رنگوں کے ہمراہ ملتا ہے۔ڈاکٹر صائمہ ارم کے بقول:

"تبسم صاحب کی شاعری میں سماعت یا بصارت سے تو ہم حظ اٹھاتے ہی ہیں لیکن ان کی شاعری میں جو رنگ ہیں مثلاً کاسنی رنگ کی بارش، نیلے رنگ کا منفرد اور سفید چیری کے درخت، ہرا، پیلا رنگ ان کے اردگرد بکھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔ خاص طور پر جاپان کے رنگ، وہاں کے لینڈ سکیپ کا ذکر ہمیں ورڈز ورتھ اور کالرج کی یاد دلاتا ہے۔"(6)

تبسم کاشمیری کی نظم "اجنبی سرزمینوں کی طرف" میں ہوا پہلی بار دھوپ میں قدم رکھتی ہے تو ساتھ میں خوش بو، پھول اور رنگ سانس لے کر زندگی کی امید بکھیر دیتے ہیں۔نارنجی دھوپ کے کھلے سمندر میں فاختہ امن کے حسین گیت گانے لگتی ہے۔ دراصل ڈاکٹر تبسم کاشمیری احساسات کے شاعر ہیں۔وہ جذبہ واحساس کی دولت سے مالامال ہو کر قاری کو بھی محسوس کرنے پر اکساتے ہیں۔ لڑکی اور ستارے کے مابین گفتگو اس کی عمدہ مثال ہے۔ لڑکی تارہ سے مسلسل سوال کرتی اور اس کے بدلتے رنگوں پر محوِ حیرت ہے۔ جبکہ تارہ اپنے ماتھے پہ کئی دکھوں کو لیے ہوئے اور آنکھوں میں ڈھیروں آنسو بھرے رنگ بدلتا ہی چلا جاتا ہے:

تارہ کبھی سبز ہوتا تھا اور کبھی سرخ

کبھی زرد اور کبھی سبز ہوتا تھا اور کبھی سفید! (7)

ایک دوسرے سے گفتگو کرتے یہ سلسلہ طوالت اختیار کر جاتا ہے اور آخر میں دونوں ہم نوا بن جاتے ہیں۔ تارہ اپنی آنکھ سے دکھ سے بھرے آنسو ٹپکا کر لڑکی کا ساتھی بن جاتا ہے۔ مگر فنا کا ذائقہ چکھ کر۔ ان کی شاعری میں دھوپ ملبوس نظر آتی ہے اور اس کے لباس کا رنگ پیلا ہے۔ جو دیکھنے والوں کو بھلا معلوم ہوتا ہے۔ دھوپ کی اس پیلی شال کو وہ اوڑھتے ہیں تاکہ زمین و آسمان کی وسعتوں میں موجود موتی، پھول اور خزاں سے رابطہ بہتر بنایا

جاسکے۔ تبسم کاشمیری رنگوں سے محبت کا رشتہ رکھنے کے علاوہ ان سے سیکھتے بھی ہیں۔ یہ رنگ انسان کے جذبات کا زرد اور اداس رنگ ہو یا بہار کی رونقیں ان کی شاعری میں رنگوں کی انجمن نظر آتی ہے جس سے قاری بہت لطف اندوز ہوتا ہے۔ نظم "میں نے سیکھا" میں وہ اعتراف کرتے ہیں:

میں نے سیکھا رنگوں سے مل جل کر رہنا
لفظوں سے کچھ باتیں کرنا
حرفوں کے اندر سو جانا (8)

ہرا رنگ تازگی، شادابی اور جوبن کی علامت ہوا کرتا ہے۔ یہ سبزے کی رونق کی علامت ہوتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے ہاں اس کی خوب صورت مثال نظم "سنگاپور میں" ہے۔ جس میں وہ شہر، رات، بادل، آکاش، دھوپ، پتے اور شام کو سبز رنگ سے تعبیر کرتے ہیں۔ درحقیقت رنگ رنگ تو انسان کے اندر بسا کرتے ہیں اور کہیں یہ رنگ و سبزہ انسان کی خزاں زدگی طبیعت کو شاداب کرنے میں موثر کردار ادا کرتا ہے:

شہر میں سب کچھ ہرا تھا
اس کی آنکھیں
اس کی باتیں
اور اس کے گیت بھی!

میں ایک سرمئی ہوا ہاتھ میں اگا رہا ہوں
میں ایک سبز جنگل آنکھ میں لگا رہا ہوں
(9)

رنگ و جذبہ کے احساس سے بھری خواہشات اور خزاں کی سی اداسی کے اثرات موسم کی مناسبت سے طبیعت پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ تبسم کاشمیری کی شاعری میں رنگ کہیں تو مثبت اور پر امید انداز فکر کی جھلک بنتے ہیں۔ کہیں رومانیت کے علمبردار بن کر قاری کو مسرت و شادمانی سے ہمکنار کرتے ہیں۔

کاشمیری صاحب کی شاعری کا ایک اہم پہلو شگفتگی ہے، حسن کی رعنائی روشنی کا خوب صورت سفر چاند کے پینڈے کی چمک دار اور حسین رنگا رنگی دھنک کی سی دل کشی کا باعث بنتی ہے۔ خوش بو، پھول اور رنگ ان کی شاعری میں پہلا سانس لے کر اپنی زندگی کا آغاز کرتے ہیں۔ دھوپ کا نارنجی رنگ دیکھ کر کھلے سمندر میں خوب صورت عکس پیدا ہوا ہے جس کے باعث فاختہ جو کہ امن کا نمائندہ پرندہ ہے، نے ایسے گیت گانے کا سلسلہ جاری کیا جو نہ ختم ہونے والا ہے۔ نظم "ایک تحفہ" میں شاعر فاختہ کے لیے بہت ساری شراب اور شہد تحفتاً لایا

ہے تا کہ نئے اسم، شباب، چہرہ، ستارہ نغمہ و گیت کا اہتمام کیا جاسکے۔ کاسنی تالاب کے دل کش پانیوں پر گہری نیند سوتے پنچھی شیریں شہد کا لطف لے رہے تھے۔ ان دیکھے اور نادیدہ دروازوں سے موسم سرمئی رنگ میں ڈھل رہا تھا اور شاعر زرخیز اور پر شباب زمینوں سے فاختہ کے لیے انمول تحفہ لانے کی خواہش میں ہے۔

شاعر کو رنگوں سے گہری محبت ہے کہ رنگ زندگی میں جان ڈالنے کا اہم ذریعہ ہوا کرتے ہیں وہ "تمہارے لیے" شام کو مچھلیاں لانے، صبح کو تتلیاں ڈھونڈنے، دوپہر کو پھڑ پھڑاتے رنگ بکھیرنے اور رات کو شیریں شہد کا چھتہ لانے کا وعدہ کرتے ہیں۔ نظم "تمہارے لیے" میں ان کی محبت، رومان اور محبوب سے وعدہ ایفا کرنے کا کل سامان ہے۔ بہت پرانی کہانی سناتے ہوئے وہ صدیوں پیچھے جا کر الم ناک موڑ اور حادثہ کو یاد کر کے پڑھنے والے کو کہانی سے رغبت دلاتے ہیں۔ وہی کہانی جس سے انسان ارتقاء کے سفر سے گزر کر لامحالہ مسائل سے نپٹتے ہوئے کہانی نے اس کے غم کو غلط کرنے میں بھرپور مدد دی۔

ے
اور ستارے کی آنکھ میں
زمین کے گول سنہری پیالے جتنا پانی! (10)

کاشمیری صاحب گہری فکر و نظر کے حامل ہیں۔ ان کی شاعری کا اکثر حصہ میں آپ کی آنکھیں جہان وسیع کو گہرائی سے ماپنے کی ماہر معلوم ہوتی ہیں۔ وہ فطرت و رنگا رنگی کے ہر طرح کی کیفیت کے ماہر نبض شناس نظر آتے ہیں۔ جس کا مظاہرہ وقت، مادی اشیاء زمان و مکان وغیرہ سے نظم "محبت کرنے کے لیے" میں بخوبی عیاں ہے:

ے
انگنی پہ سوکھتی ہوئی
ایک گلابی ساڑھی
ایک تکیے کا بے رنگ غلاف
یا ایک پرانا رومال بھی
کافی ہے (11)

نظم "ستارہ شام کا بولا" یاد کے جزیروں سے شام کا پیغام لانے والا ثابت ہوتا ہے۔ وہ شاعر کو اداس اور یادوں میں محو دیکھ کر مشرق سے آنے والی ہوا، حرف و معنی کی نوا، خوشبو اور رنگوں سے مرکب پیغام لاتا ہے جو کہ سراسر امید و آس سے معمور ہے۔

ے
ستارہ شام کا نیلے افق پہ
شام تک بولا (12)

آپ کی شاعری میں جواب دینے کو بڑی داد فراہم کی جاتی ہے۔ وہ سامع کی بجائے جواب دینے کے خواہاں ہیں۔" منو پہاڑ پر میپلز" آٹھ مصرعوں کی خوب صورت اور مختصر نظم ہے۔ اختصار کے باوجود یہ نظم اپنی رعنائی میں ثانی نہیں رکھتی۔ دھوپ کا ایک بازار لگا ہوا ہے۔ اوپر زرد سورج بازار کو روشنی بخش رہا ہے۔ شہر، رستے اور ہوا نے سرخ رنگ کا لبادہ اوڑھ لیا ہے اور سب سے آخر میں پتوں کی بارش ہونے لگتی ہے۔ وہ بارش جس کا رنگ سرخ ہے۔ یوں یہ نظم رنگ و تخیل کی آمیزش ہے۔ رات کا سیاہ رنگ زمین کے سینے پر لاکھوں صدیوں سے موجود ہے۔ جو شور بالکل نہیں کرتا بلکہ چپ چاپ صدیوں سے بہہ رہا ہے۔ یا بھٹک رہا ہے۔ رات آخر ہے کیا؟ پر اسرار آوازیں جو رات کا خاصہ ہیں۔ ان میں کیا پیغام ہے؟ آخر یہ کالا رنگ کن عوامل کا مظہر ہے۔ شاعر ان سوالوں کو قاری کے سامنے پیش کرتا ہے۔ نظم " دل پری " واحد متکلم کا کردار مہربان اور ہمدرد ہے۔ جو بغیر انسان اور دوست کے ساتھی کو شرف ہمراہی بخشتا ہے۔ بنفشی جال میں قید کر کے تالاب میں چھوڑتا ہے۔ ان کا آمنا سامنا سرمئی رات استوائی ساحل پر ہوا تھا۔ سرمئی رات میں ہوا کا سائبان بھی اپنی حد تک دینے کا حامی نظر آتا ہے۔ نظم "لڑکی اور ستارہ" میں مکالماتی اور پر تجسس انداز کے علاوہ دکھ والم کے امتزاجی جذبات ملتے ہیں۔

تارہ کبھی سبز ہوتا تھا کبھی سرخ
کبھی زرد اور کبھی سفید (13)

راستہ بھٹک جانے والے مسافر کی پریشان حالی، اندھیرے کا ڈر اور منزل کے کھو جانے کا اندیشہ نظم " او مسافر" میں نظر آتا ہے۔ راہی سر تا پا استفہام کی کیفیت سے گزر رہا ہو ہے۔ وہ اپنے سفید سجیلے گھوڑے کی تلاش میں ہے مگر اس کی تلاش میں ہے مگر اس کی تلاش کا سلسلہ لامتناہی معلوم ہوتا ہے۔ نظم " خدیجہ کے لیے " ایک بیوہ کا اپنے مرحوم اور محبت کرنے والے شوہر کی یاد محو انتظار ہونا ہے۔ شاعر سوال کرتے ہیں کہ شاید وہ محبت و انبساط کا پیکر نیلے پانیوں کی سرحد کو عبور کرتا ہوا دور جا بستا ہے۔ جو تمہارے جو تمارے واسطہ ہری بیلیں اور سرخ پھولوں سے آنگن کو سجایا کرتا تھا۔

"دانشور، فنکار اور شاعر کسی بھی معاشرے کے لیے ہر اول دستے کا کام دیتے ہیں، اس لیے کہ وہ حسین و تعمیری خوابوں کے خاکے نہیں کھینچیں گے تو پھر عمل کے رنگ کس میں بھرے جائیں گے۔ سو امن و خیر، عدل و انصاف، حسن و توازن، خوش حالی و روحانی آسودگی اور نیکی و محبت کی خاطر شعرا کے گروہ کا چاق و چوبند رہنا نہایت ضروری ہے۔ مثبت سوچ اور تخلیقی روانی ہی شعرا کا قول بھی ہے، فعل بھی ہے اس لیے اپنے زرخیز دل و دماغ کو بنجر کر دینا ایک شاعر کی بے عملی تصور ہوگی۔"(14)

اردو شاعری کے ناقدین اس بات کے قائل ہیں کہ اردو شاعری بالخصوص جدید شاعری پر آج کل کلاسیکی اور روایتی انداز کے قدیم لکھنوی اور دکنی طرز کے برعکس واہیات، ہیجان انگیز، جنسی اشتہا آمیز، عشقیہ بلکہ بازاری انداز غالب آچکا ہے۔ جس کا ڈاکٹر تبسم کاشمیری صاحب نے سختی سے رد کیا ہے۔ آپ نے اپنے کلام میں بارہا انبساط، حقیقی حسن اور رومان کے فطرت کے ساتھ حسین امتزاج کے بے مثل شاہ کار پیش کیے۔ انسان روح اور بدن کا مرکب ہے۔ معاشی، روحانی اور جسمانی ضروریات کے لیے جدید عصری علوم کے ساتھ ساتھ روح کے تغذیہ کے واسطہ فنون لطیفہ لازم جزو ہے۔

حوالہ جات و حواشی

1- ہادی حسین، "شاعری اور تخیل (لاہور، مجلس ترقی ادب، 1966ء) ص86،85

2- تبسم کاشمیری، ڈاکٹر، "تمثال (لاہور، ارسلان پبلی کیشنز، 1975) ص47

3- خادم حسین رائے، "ڈاکٹر تبسم کاشمیری کی شعریات کا فکری و لسانی تجزیہ"، مشمولہ مجلہ "بنیاد" جلد، 09، 2018، ص223

4- تبسم کاشمیری، ڈاکٹر، "تمثال" ص107

5- تبسم کاشمیری، ڈاکٹر، (لاہور، بازگشتوں کے پل پر"، دستاویز مطبوعات، 1990) ص72

6- ٹیلی فونک گفتگو، ڈاکٹر صائمہ ارم، صدرِ شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج یونی ورسٹی، لاہور

7- تبسم کاشمیری، ڈاکٹر، "بازگشتوں کے پل پر"، ص22

8- "ایضاً"، ص87

9- تبسم کاشمیری، ڈاکٹر، (لاہور، کاسنی بارش میں دھوپ"، نگارشات، 1990ء) ص27

10- ایضاً، ص26

11- ایضاً، ص33

12- ایضاً، ص55

13- تبسم کاشمیری، ڈاکٹر، "بازگشتوں کے پل پر"، ص22

14- ناہید قاسمی، ڈاکٹر، جدید اردو شاعری میں فطرت نگاری (کراچی، انجمن ترقی اردو پاکستان، 2002ء) ص626-625